اسلامی نظام مالیات اور جدید نظام ہائے مالیات کا تقابلی جائزہ

The comparative study of Islamic financial system with conventional financial system

*شعیب خان

**وہاب خان

Abstract

Islam is a complete system of life to raise all aspects of human life and the guiding thought and action which offers a system according to the changing conditions of human actions that affect. Up until then, it will not be possible to regulate the texts should not be considered deeply profound to contemplate the Holy Quran "jurisprudence" word is used. Islamic Finance in respect of any individual earning a living is not completely confined (like communism) or full independent (like capitalism), but the income in the struggle meant that the economy was bound by the rules the life of the individual and the protection of irregular economic Charities (Rifāhy) also adhere with religious and moral exaltation, is always in the pursuit of individual economic will be tow rule: First, they get the "halal" is. Secondly, the ways they acquire "Tayyab".

Keywords: *Capitalism, Socialism, Islamic Finance, Interest, Free Tradism.*

---

*پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد۔

**پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و تحقیق، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، بنوں۔

تعارف:

قرونِ اُولیٰ سے انسان انفرادی واجتماعی لحاظ سے اچھے معاش کے وسائل اور زندگی گزارنے کے اسباب کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر دنیا میں مختلف ادوار میں متمدن اقوام نے اس کے لئے جامع منصوبہ بندی کی خاطر اپنا اپنا نقطہٴ نظر قائم کیا۔ اٹھارویں اور انیسوی صدی عیسوی میں جب صنعتی ترقی کی وجہ سے دُنیا نے ایک نیا رُخ اختیار کیا تو مالیاتی نظام کو بھی بزعمِ خویش منظم کرنے کے لئے مختلف نظریئے ظہور پذیر ہوئے جن میں دو نظریوں کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی اور عملی میدان میں بھی بہت زیادہ ترقی کی، یعنی سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ [CAPITALISM] اور اشتراکی نظام کا نظریہ [SOCIALISM]۔

ان دونوں نظاموں کے تعارف اور بنیادی نکات نیز اسلامی مالیاتی نظام کے اصول سے پہلے مال کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کئے جاتے ہیں:

مال کے لغوی معنی:

مال کے لغوی معنی جاننے کا مدار اس کے مادہٴ اشتقاق پر ہے چنانچہ مادہٴ اشتقاق کے لحاظ سے مال کے اصل میں دو احتمال ہے۔

(۱) م۔و۔ل

(۲) م۔ی۔ل

اگر مادہ اول مراد لیا جائے تو اس کے معنی ذخیرہ کی جانے والی چیز کے ہیں۔

اگر مادہ دوم مراد لیا جائے تو اس کے معنی میلان کے ہیں۔ (1)

اول معنی کے اعتبار سے مال کا مصداق محدود ہے جب کہ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس میں کافی وسعت پائی جاتی ہے، مگر اہلِ لغت نے عموماً مادہٴ اشتقاق م۔و۔ل (مولٌ) ذکر کیا ہے البتہ بعد میں اس کے مصداق اور اطلاق کی تعیین میں مرحلہ وار مختلف اشیاء شامل ہوئی المالُ: مَا ملَكْتَهُ من كُلِّ شيءٍ... وَقَالَ ابنُ الأَثيرِ: المالُ فِي الأَصْلِ: مَا يُمْلَكُ من الذَّهَبِ والفِضَّةِ، ثمَّ أُطْلِقَ على كُلِّ مَا يُقْتَنى ويُمْلَكُ من

الأَعيانِ، وأَكثَرُ مَا يُطلَقُ المالُ عندَ العربِ على الإِبِلِ، لأَنَّها كَانَت أَكثرَأَموالِهِمْ۔ (2)

"مال ہر وہ چیز ہے جس کا آپ مالک بن سکتے ہو۔ ابن الا ثیر کہتے ہیں: اصل میں مال سونا اور چاندی ہے جو ملکیت میں آتے ہیں، پھر اس کا اطلاق تمام ان اعیان (حسی اور مادی اشیاء) پر ہونے لگا جن کو ذخیرہ کیا جا سکے اور جن پر ملکیت حاصل ہو سکے اور عربوں کے ہاں مال کا اطلاق زیادہ تر اُونٹوں پر ہوتا تھا کیونکہ ان کے ہاں زیادہ تر مال یہی تھا"۔

مال کے اصطلاحی معنی:

مال کے اصطلاحی معنی میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں چنانچہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک[م۱۷۹ھ]، امام شافعی[م ۲۰۴ھ] اور امام احمد بن حنبل[م ۲۴۱ھ] کے ہاں مال کی حقیقت میں اعیان اور منافع دونوں شامل ہیں۔

وقال غير الحنفية: أن المنافع أموال متقومة كالأعيان، لأن الغرض الأظهر من جميع الأموال هو منفعتها۔ [3]"احناف کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک منافع بھی اموال (وہ جن کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہو) ہیں دوسرے مادی اشیاء کی طرح کیونکہ تمام اموال سے مقصود منفعت ہوتی ہے"۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوا کہ ہر وہ شئے جس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو وہ مال ہے خواہ وہ حسّی اور مادی ہو یا غیر حسّی اور غیر مادی ہو چنانچہ حقِ مسیل، حقِ شرب، حقِ مرور، حق تالیف، حق ایجاد اور علامت تجاری (Trade Mark) وغیرہ تمام حقوق ملکیہ (Intellectual Property) مال کے حکم میں ہوں گے۔ [4]

احناف کے ہاں مال کا اطلاق صرف اعیان پر ہوتا ہے جو مادی اور حسّی ہو، غیر مادی اور غیر حسّی اشیاء پر اس کا اطلاق درست نہیں چنانچہ اُن کے ہاں مال کی یہ تعریفیں کی گئی ہے:

۱: "الْمَالُ اسْمٌ لِغَيْرِ الْآدَمِيِّ خُلِقَ لِمَصَالِحِ الْآدَمِيِّ وَأَمْكَنَ إِحْرَازُهُ وَالتَّصَرُّفُ فِيهِ عَلَى وَجْهِ الِاخْتِيَارِ۔" [5]

"مال غیر انسان کا نام ہے جو مصالح انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے محفوظ کرنا اور اپنے اختیار سے اس میں تصرف کرنا ممکن ہو"۔

۲: الْمُرَادُ بِالْمَالِ مَا يَمِيلُ إِلَيْهِ الطَّبْعُ وَيُمْكِنُ ادِّخَارُهُ لِوَقْتِ الْحَاجَةِ۔ [6]

"مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور وقتِ ضرورت کے لئے اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو"۔

درج بالا دو /۲ تعریفات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوئی کہ احناف کے ہاں مال کا اطلاق اُن اشیاء پر ہو گا جن میں یہ تین صفات پائی جائیں:

1۔ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔ ۲۔ تصرف کرنا ممکن ہو۔ ۳۔طبیعت کا میلان ہو۔

ان صفات کو مال کی حقیقت کے لئے معیار قرار دے کر صرف وہ اشیاء مال شمار ہوں گے جو اعیان کی جنس سے ہوں، غیر اعیان یعنی منافع وغیرہ مال کی تعریف میں شامل نہیں ہوں گے تاہم یہ ایک حقیقتِ مسلّمہ ہے کہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حالات اور حاجات وضروریات اور اسی طرح عرف وعادات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، اب یہ کافی مشکل تھا کہ زمانے کے حالات اور عرف وعادات کو نظر انداز کرتے ہوئے [مال] کو اپنے قدیم مفہوم تک محدود رکھا جائے لہٰذا بعد میں حنفی فقہاء نے بھی ضرورت ورعایت اور عرف وعادت کے اس معیار کے پیشِ نظر [فقہ حنفی] کے بنیادی تصوّر پر مستزاد کچھ منافع اور حقوق مال کے حکم میں شامل کئے ہیں چنانچہ علامہ کاسانیؒ [م ۵۸۷ھ] نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مال کبھی عین ہوتا ہے اور کبھی منفعت۔ وہ لکھتے ہیں:

۱: وَالْمَالُ قَدْ يَكُونُ عَيْنًا وَقَدْ يَكُونُ مَنْفَعَةً۔ [7] "مال کبھی عین ہوتا ہے اور کبھی منفعت"۔

۲: لِأَنَّ هَذِهِ الْمَنَافِعَ أَمْوَالٌ أَوْ الْتَحَقَتْ بِالْأَمْوَالِ شَرْعًا۔ [8]

"اس لئے کہ یہ منافع اموال ہیں یا شرعاً اموال کے ساتھ [حکم میں] منسلک ہیں"۔

اسی طرح ابن نجیمؒ [م ۹۷۰ھ] بھی لکھتے ہیں:

۳۔ لِأَنَّ هَذِهِ الْمَنَافِعَ أَمْوَالٌ أَوْ أُلْحِقَتْ بِالْأَمْوَالِ شَرْعًا فِي سَائِرِ الْعُقُودِ لِمَكَانِ الْحَاجَةِ۔ [9]

"اس لئے کہ یہ منافع اموال میں سے ہیں یا بوجہ حاجت تمام عقود میں شرعاً اموال کے ساتھ پیوست ہیں" ۔

درج بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حنفی فقہاء نے مال کی جو تعریف کی تھی وہ ان کے عرف وعادت کے مطابق تھی گویا وہ ایسی تعریف تھی جس میں ضرورت اور عرف وعادت کی بناء پر تبدیلی اور توسیع ممکن ہے، عرف وعادت اور تعامل کے پیش نظر اگر کوئی فقیہ ماقبل مجتہدین کے برعکس اپنے مذہب کے اُصول وقواعد کے مطابق فتویٰ دے تو اُسے بے بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اصل مذہب کے قواعد پر مبنی فتویٰ تصوّر ہو گا، چنانچہ درج ذیل عبارت سے یہی واضح ہوتا ہے:

ولهٰذا ترٰى مشائخ المذهب خالفوا ما نصّ عليه المجتهد في مواضعَ كثيرة بناها على ما كان في زمنه لعلمهم بأنّه لوكان في مذهبهم لقال بما قالوا به اَخذاً من قواعد مذهبه۔" (10)

" بنابریں تو مشائخ کو اس طرح پائے گا کہ اکثر مقامات میں وہ اپنے مجتہد کے منصوص مسائل کے خلاف ہوں گے (یہ اس لئے کہ) اُنہوں نے اپنے زمانے کے حالات کے موافق فتویٰ دیا ہے کیونکہ اُن کو یہ علم ہے کہ اگر واقعہ یوں ہوتا جو اِس زمانے میں ہے تو وہ بھی اسی طرح کا حکم کرتے، (یہ) اپنے مذہب کے قواعد کا اعتبار کرتے ہوئے "۔

غرض یہ کہ مال کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے تعیّن میں زمانے کے اختلاف اور لوگوں کے عرف وعادات کا کافی دخل ہے چنانچہ اب مال کے مصداق میں بھی اعیان کے علاوہ منافع اور حقوقِ مجرّدہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

مالیاتی نظام کا تعارف:

انسانی زندگی کے بیشتر ضروریات کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ "مال" کے ساتھ ہیں جس کو بالفاظِ دیگر وسائل یا ذرائع بھی کہا جاتا ہے۔ ان وسائل یا ذرائع سے ضروریات کو کیسے پورا کیا جائے ؟ اس کے لئے نظریاتی و عملی ہر دو اعتبار سے منظّم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس کے ذریعے محدود وسائل کے ساتھ بھی زیادہ ضرورتیں پوری ہوں، چنانچہ نظریاتی اعتبار سے اس نظم یا تنظیم کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ ابتداءً اس کی تعریف میں کافی حد تک سادگی تھی۔ جیسے:

۱:　مشہور مؤرخ اور ماہِر عمرانیات علامہ ابنِ خلدون [م ۸۰۸ھ] اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

أنّ المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرّزق والسّعي في تحصيله (11)

"معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا نام ہے"۔

ابنِ خلدون کے زمانے کے بعد دنیا نے ایک نیا رُخ اختیار کیا اور مشرق سے علم اپنا بساط لپیٹ کر مغرب کی طرف چل پڑا تو دوسری ساری چیزوں کی جدّت اور ترقی کے ساتھ ساتھ اقتصادی نظم وضبط کے لئے بھی ایک جدید نظر و فکر مل گیا۔ اس دور کے سب سے بڑے ماہر معاشیات ایڈم سمتھ (Adam Smith) [م ۱۷۹۰ء] نے اس میں جدت کا راستہ اختیار کیا۔ یہاں صرف اس کی بیان کردہ تعریف ذکر کی جاتی ہے۔

۲:　معاشیات دولت کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے اُصول کا نام ہے۔ (12)

دورِ حاضر کے معروف مفکر اسلام مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی اس میدان میں اپنالوہامنوایاہے، انہوں نے صرف یہ نہیں کہ جدید مالیاتی نظاموں کا مطالعہ کیاہے بلکہ ان کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بہت اہم اقدام کیاہے، آپ مالیاتی نظام کی بہت سادہ تعریف کرتے ہیں۔

۳: "وسائل کو اس طریقے سے استعمال کئے جائیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ضرورتیں پوری ہوں"۔ [13]

اسلام کے تمام شعبے آپس میں مربوط ہیں اس لئے اسلام کی رو سے جس شعبے کی تعریف کی جاتی ہے تو تمام کو ملحوظ رکھاجاتاہے چنانچہ اسلام کی رو سے معاشیات کی یہ تعریف کی جاتی ہے:

۴: "علمِ معاشیات زندگی کا وہ شعبہ ہے جو قرآن وحدیث کی ہدایت کے مطابق فلاح وبہبودِ انسانی کے لئے منضبط ہوتاہے"۔ [14]

معاشیات یامالیاتی نظام کی ان تمام تعریفات میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ انسان وسائل یاذرائع معاش تلاش کرے اور اپنی ضروریاتِ زندگی کو پوری کرے۔اس سلسلے میں چند اہم اور بنیادی نکات ہیں اگر اِن کو بطریقِ احسن بروئے کار لائے جائیں تو مالیاتی نظام کے لئے یہ ایک بہترین منصوبہ بندی ہوگی۔اس بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

أنّ المسائل الأساسية لكلّ نظام اقتصاديّ أربعة لابدّ لكل نظام من حلّها، وهى فى اصطلاح الاقتصاديين (۱)مسئلة الترجيحات(۲)مسئلة استخدام الوسائل(۳)مسئلة توزيع الثروة (۴)مسئلة الازدهار ۔ [15]

"ہر اقتصادی نظام کے لئے چار مسائل ہیں جن کو حل کرنا ناگزیر ہے، ماہرینِ اقتصادیات کی اصطلاح میں وہ یہ ہیں: (۱)ترجیحات کا تعیّن (۲)وسائل کی تخصیص (۳)آمدنی کی تقسیم (۴)ترقّی"۔

یہ مسائل اگرچہ فطری ہیں لیکن ان کو حل کرنے کے لئے دُنیا میں ابتداءسے آج تک طبع آزمائی ہوئی ہے، ماضی قریب میں بھی سرمایہ دارانہ نظام [CAPITALISM] اور اشتراکی نظام[SOCIALISM] کے واضعین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان چاروں بنیادی مسائل کے حل کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔ سطورِ ذیل میں ان دونوں نظاموں کے تعارف اور بنیادی نکات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام [CAPITALISM]:

دنیائے معاش کا ترقی یافتہ یہ نظام انفرادپسندی کے اُصول پر قائم ہے۔اسے عدمِ مداخلت کا نظام یا آزادانہ معاشی نظام بھی کہتے ہیں۔

"Capitalism also called free market economy or free enterprise economic system" (16)

اس نظام میں حکومت عوام کی معاشی سرگرمیوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتی اورزمینیں،کارخانے،دکانیں اوردیگر تمام ذرائع پیداوار افراد یااداروں کی ملکیت میں ہوتے ہیں،وہ ان وسائل کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

"Capital is a system of economic organization in which individual person singly in groups privately owned production resources, including land and possess the rights to use these resources generally in whatever manner the choose ." (17)

سرمایہ دارانہ نظام کا ارتقاء:

ایڈم سمتھ(Adam Smith)نے سب سے پہلے ان تمام پابندیوں کو تجارت سے ہٹانے کی کوشش کی جو بعض ممالک نے اپنے ملک میں تجارتی سامان کے درآمد اوربرآمدپرپابندی لگارکھی تھی،اور" Free Tradism"کے اُصولوں پر تجارت کے لئےنئے نظام کا نظریہ پیش کیا۔ مالتھس(Malthus)[م۱۸۳۴ء]نے تقلیلِ حاصل"Diminishing"کانظریہ پیش کیااور پھر فری ٹریڈازم "Free Tradism" کا تاجرانہ اقتصادی نظام اٹھارویں صدی عیسوی میں سرمایہ دارانہ نظام کی صورت اختیار کرگیا۔

کینز(Keynes)[م۱۹۴۶ء]نے کساد بازاری سے بچنے کے لئے ۱۹۳۶ء میں ایک نظریہ پیش کیاجس کو The general theory of employment interest and moneyکہتے ہیں،اس نظریئے سے سرمایہ داروں کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ (18)

آج کل یہ نظام امریکہ اور انگلستان کے علاوہ مغربی جرمنی اور جاپان وغیرہ میں قائم ہے۔

The performance of Capitalism since World War 2nd in the United States, United Kingdom, West Germany and Japan (19)

سرمایہ دارانہ نظام کے اُصول:

سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اُصول درج ذیل ہیں:

۱: ملکیت کی آزادی:

اس نظام میں افراد کو اشیاء پر بغیر کسی پابندی کے کامل ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

۲: معاشی آزادی:

افراد حکومت کی مداخلت کے بغیر اپنی اموال کے تصرّف میں آزاد ہوتے ہیں اور معاشی تنظیم منڈی کے حوالے ہوتی ہے، رسد وطلب "Supply and Demand" کی فطری قانون کے تحت منڈی کا نظام خود بخود منظّم ہوتا ہے اور منافع کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۳: منافع کی آزادی:

اس نظام میں منافع کا حق عامل اور تنظیم کنندہ کا ہے اور حکومت کو پابندی کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس قسم کی آزادی سے ہی آزادانہ تجارت "Free Tradism" کا عملی تجربہ ممکن ہے۔ (20)

اشتراکی نظام[SOCIALISM]:

اشتراکی نظام، سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں وجود میں آیا کیونکہ جب سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت طبقاتی کشمکش اور باہمی جنگ وجدل دیکھنے میں آیا جس کے نتیجے میں امیر اور غریب کے درمیان فاصلے بہت بڑھ گئے تو اشتراکیت ان خرابیوں کے سدّباب کا دعویٰ لے کر میدان میں آئی اور کہا کہ بنیادی خرابی یہاں سے پیدا ہوئی ہے کہ وسائل کو انفرادی ملکیت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ سارے وسائل ریاست کی ملکیت میں ہو اور وہی معیشت کی بنیادی نکات (ترجیحات کا تعیّن، وسائل کی تخصیص، آمدنی کی تقسیم) کی منصوبہ بندی کرے گی، پھر انہی کے نتیجے میں ترقی خود بخود آئے گی۔

"A system of social organization in which private property and the distribution of income are subject to social control"(21)

اس نظام کے بانی اور مؤجد کارل مارکس [۱۸۱۸ء–۱۸۸۳ء] ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا فائدہ جب نقصان سے کم ہونے لگا تو کارل مارکس نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔

بنیادی طور پر اشتراکی نظام، فلسفہ، اقتصاد اور سیاست تینوں کے مجموعے کا نام ہے۔ کارل مارکس نے ان تینوں عناصر کو ایسا منظّم کر دیا کہ ان کے باہمی میلاپ سے ایک علیٰحدہ تصوّرِ حیات وجود میں آیا، یہ اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

۱: تاریخ کی مادی تعبیر [Materialistic interpretation of History] کو فلسفہ کی حیثیت حاصل ہے۔

۲: نظریہ قدرِزائد [Theory of surplus value] یہ اقتصادی پہلو ہے۔

۳: طبقاتی جنگ [Class war] یہ کارل مارکس کی سیاست ہے جس سے ذاتی ملکیت مٹ کر کمیونیزم [Communism] وجود میں آتی ہے جس کی ایک شاخ سوشلزم [Socialism] بھی ہے۔ (22)

کارل مارکس نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور طبقاتی کشمکش کے خاتمے کے لئے اُصول تو وضع کئے لیکن وہ مذہب دشمنی پر مبنی تھے اور خُدا کے تصوّر کو ایک واہمہ قرار دیا، اُن کے نزدیک یہ تصوّرات امیر طبقوں کی پیداوار ہے جن کی بنا پر وہ مزدور جماعت کو مذہب کا افیون دے کر اُن کے حقوق پامال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبعیات اور اس قسم کے دوسرے تصوّرات اپنا آزاد وجود کہیں نہیں رکھتے۔ ان کی نہ کوئی تاریخ ہے اور نہ نشوونما بجز اس کے کہ انسان جب اپنے معاشی ذرائع کو نشوونما دیتا ہے تو اس حقیقت کے ساتھ ساتھ اپنے افکار و نظریات کو بھی بدلتا رہتا ہے (انہی کا نام مذہب ہے)۔ شعور انسان پر محاکمہ نہیں کرتا، انسانی زندگی شعور کا تعیّن کرتی ہے"۔ (23)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"خُدا کا تصوّر ایک واہمہ ہے اس عالم کے ارتقائی وجود میں آج تک کسی بادشاہ یا خُدا کے لئے جگہ نہیں"۔ (24)

اشتراکیت کے بنیادی اُصول:

اشتراکیت کے چار بنیادی اُصول ہیں:

۱: اجتماعی ملکیت [Collective Property]

۲: منصوبہ بندی [Planning]

۳: اجتماعی مفاد [Collective interest]

۴: آمدنی کی منصفانہ تقسیم [Equitable distribution of income] (25)

اسلام کا نظامِ اقتصاد:

اسلام کلّی طور پر نہ مال کی نفی کرتا ہے اور نہ اسے انسانی زندگی کا حقیقی مقصد ٹھہراتا ہے۔مال کی تلاش اور معیشت کی طلب کی ترغیب قرآن میں پائی جاتی ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ﴾ [26] "پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو"۔

جب کہ دوسری طرف مال کے لئے متاع الغرور (سامانِ دھوکہ) اور فتنہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [27] "اور دُنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سامان ہے"۔

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [28]

"اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر (موجود) ہے"۔

اس طرز وانداز سے اسلام کے اقتصادی نظام اور دوسرے نظاموں کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے کیونکہ دوسرے نظاموں کی بنیاد "مادہ پرستی" پر ہے کہ انسان کا معیشت کے سوا کوئی اور بڑا مقصد دنیا میں نہیں۔مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

أنّ الاقتصاد المادّی یعتبر "المعیشة" مقصداً اساسیّاً للإنسانِ، ویری أنّ الثروة والرفاهیة هی الغایة المنشودة والمقصد الأصیل لجمیع مایفعله الانسان فی هٰذه الحیٰوة الدنیا۔ [29]

"مادی (نظامِ) اقتصاد کے ہاں "معیشت" (کی طلب) انسان کا بنیادی مقصد ہے اور اُن کی نظر میں دولت اور خوشحالی حیاتِ انسانی کی تمام سرگرمیوں کا بنیادی مقصد اور محور ہے"۔

اسلام میں حیاتِ انسانی کا بنیادی مقصد اللہ تعالی کی رضا اور ابدی سعادت ہے البتہ وہ وسائل جن کے لئے انسان دُنیاوی زندگی میں محتاج ہے، ناگزیر اور ضروری ہیں، اس کی تصریح اللہ تعالی یوں فرماتے ہیں:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ [30]

"تجھ کو اللہ تعالیٰ نے جتنا دے رکھا ہےاِس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کرواور دُنیا سے اپنا حصّہ(آخرت میں لے جانا) فراموش مت کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہےتو بھی(بندوں کے ساتھ)احسان کیا کرواور دُنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو"۔

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام انسانی فطرت کے موافق مال سے بقدرِ حاجت وضرورت مستفید ہونے کی ہرگز نفی نہیں کرتا بلکہ ایسے مال کو فضل اللہ وغیرہ جیسے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے البتہ مال کی اُس حیثیت کی ضرور مذمّت کرتا ہے جو انسان کو اُس کے مقصدِ اصیل سے غافل وبے پرواکرکے مقصدِ حیات بن جائے۔

اسلامی نظام اقتصاد کے اُصول:

اقتصادِ اسلامی کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

(ا)مرکب ملکیّت[ملکیّتِ عام وملکیّتِ خاص]

ملکیّت کا اصل حق اللہ تعالیٰ کا ہے،بندہ خلیفہ کی حیثیت سے اِس کا مالک ہے یعنی جو کچھ انسان کی ملک میں ہے وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ا: ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى﴾ (31)

"اسی کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں"۔

۲: ﴿وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (32)

"اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کے لئے زمین اور آسمان کی اور جو مخلوق اس کے درمیان میں ہے اس کی سلطنت ثابت ہے"۔

۳: ﴿وَلِله مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض﴾ (33) "اوراللہ ہی کو سلطنت ہے آسمانوں اورزمین میں"۔

قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ اور بہت ساری آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اشیاء پر ملکیت کا اصل حق اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے البتہ ایسی آیات بھی ہیں جن میں مال کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے،ان میں سے چند آیتیں درج ذیل ہیں:

ا: ﴿وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُون﴾ (34)

"اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے۔نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤں گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا"۔

۲: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (35)

"آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کر دیں گے"۔

۳: ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (36) "اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا"۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مال میں انسان کی حیثیت صرف ایک خلیفہ کی ہے،یعنی انسان کو منفعت اور تصرّف کا حق حاصل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

۴: ﴿وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ﴾ (37)

"اور جس مال میں تم کو اس (اللہ تعالیٰ) نے قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ) میں خرچ کرو"۔

خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے مال میں ملکیّت انسان کو اگرچہ حاصل ہے لیکن یہ ملکیّت بھی دو (۲) طرح کا ہے۔

۱: ملکیّتِ خاص ۲: ملکیّتِ عام

۱: ملکیّتِ خاص:

ملکیّتِ خاص کا تعلق معاشرے کے مخصوص افراد کے ساتھ ہے۔اسلام مخصوص افراد کی ملکیّت کا حامی اور اُن کے حقوق کی حفاظت و رعایت کا علمبردار ہے چنانچہ کسی آدمی کا مال ناجائز طریقے سے لینا ممنوع ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا (38)

"بے شک تمہارا خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزّتیں تم پر حرام کی گئی ہیں، اس (مبارک) دن، اس (مبارک) مہینے اور اس (مبارک) شہر کی حُرمت کی طرح"۔

اس آیت میں ایک دوسرے کے اموال کو ناجائز طریقے سے استعمال کرنے کی ممانعت کے بیان سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مال میں ملکیّت کا حق ایک فرد کو حاصل ہوتا ہے اور وہ حقِّ ملکیّت محترم بھی

ہے یعنی کسی غیر کو ناحق طریقے سے ملکِ غیر میں دَراندازی کا کوئی حق نہیں۔ مالک کو اپنے مال سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اوراس کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت اگر چہ ہے لیکن اگر کہیں مالک کا تصرف معاشرے کے اجتماعی ضرر کا سبب بن رہا ہو تو مالک کو اس طرح کے تصرف کا حق نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرفاروقؓ[م ۲۴ھ] نے حضرت بلال بن الحارثؓ[م ۶۰ھ] سے وہ زمین واپس لی تھی جو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس کو عطا کی تھی کیونکہ اُنہوں نے اس زمین کو بے کار چھوڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لَيْسَ لِمُحْتَجِرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِينَ حَقٌّ (39) "پتھر نصب کرنے والے کو تین سال کے بعد کوئی حق نہیں"۔

اسی طرح معاشرے کی اجتماعی ضرورت وحاجت کے پیشِ نظر احتکار(ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت کی گئی ہے۔ جیسے کہ عبداللہ بن عمرؓ[م ۷۳ھ] نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں:

"مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ يَوْمًا، فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَبَرِئَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مِنْه" (40)

"جو آدمی چالیس روز تک خوراک کو ذخیرہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہے اور اللہ تعالیٰ اُس سے بری ہے"۔

حاصل یہ کہ اسلام نے جس طرح ایک فرد کی ملکیّت کو تسلیم کرکے اس کے مال کو ناجائز طریقے سے غصب کرنے کی ممانعت کی ہے اسی طرح معاشرے اور سوسائٹی کی اجتماعی ضرر کے سدّباب کی خاطر کسی آدمی کو اپنے مال میں ایسے تصرّف کی قطعاً گنجائش نہیں چھوڑی جس سے عام لوگ ضرر اور تکلیف میں مبتلا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی نظامِ اقتصاد میں ایسا توازن پایا جاتا ہے جو دوسرے نظاموں میں نظر نہیں آتا۔

وهذا التوازن فی أیّ مذهب اٰخر، فالرأسمالية اِتجهت نحوالفرد واشباع رغباته دون حدود وقيود، والماركسيّة ألغتْ مصلحة الفرد اِلغاءً تامّاً۔ (41)

"اس توازن کو ہم دوسرے نظاموں میں نہیں دیکھتے، سرمایہ دارانہ نظام کی پوری توجّہ افراداور ان کے مرغوبات (خواہشات) کی تکمیل بغیر کسی پابندی کے، کی طرف ہے اورمارکسیزم(اشتراکی نظام) نے تو (سرے سے) فرد کی مصلحت ہی ختم کردی ہے"۔

۲: ملکیّتِ عام:

ملکیّتِ عام کا مطلب یہ ہے کسی چیز کے ساتھ تمام افراد کی ملکیّت متعلق ہو، اس بارے میں بھی اسلامی تعلیمات میں اشارہ ملتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْكَلَإِ، وَالْمَاءِ، وَالنَّارِ۔ [42] "مسلمان تین چیزوں میں آپس میں شریک ہیں؛(خودرو) گھاس، پانی اور آگ"۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

لاَ تَمْنَعُوا فَضْلَ المَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الكَلَإِ۔ [43] "زائد پانی کو مت روکو(کیونکہ اس کے ساتھ) تم (خودرو) گھاس روکتے ہو"۔

ان تین چیزوں میں شرکت عام اس وجہ سے ہے کہ ان کی ضرورت بہت زیادہ پیش آتی ہے البتہ اگر ان تین چیزوں کو کوئی مخصوص طریقے سے محفوظ اور محصور کرلے تو پھر ان میں بھی ملکیّت خاص ہو جاتی ہے۔

روایات میں اگرچہ تین چیزیں وارد ہوئی ہیں لیکن لوگوں کی ضروریات زمانے اور ماحول کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں لہٰذا ان پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے بشرط یہ کہ اُن میں بھی انہی تین چیزوں کی طرح صفات پائی جائے اور اسلام کے اُصول و قواعد کے موافق ہوں مثلاً ملکیّت عام کی ایک قسم وہ چیزیں جو ریاست کی ملکیّت میں ہوں جیسے بیت المال کی اراضی جن میں زکوۃ کے اُونٹ یا وہ اراضی جن میں عام لوگوں کے جانور چرتے ہیں۔ [44]

(۲) کفالت اور معاشی ذمہ داری:

اسلامی نظامِ اقتصاد میں مال میں صرف محنت یا خرچ ذریعۂ استحقاق نہیں بلکہ معاشرے میں بعض افراد کے لئے محنت اور خرچ کے بغیر بھی مال میں استحقاق اور حصّہ داری تسلیم کی گئی ہے، ایسے مستحقین کے لئے استحقاق کی دو بنیادیں ہیں: ۱۔حاجت مندی ۲۔ قرابت داری [45]

۱–حاجت مندی:

ہر معاشرے میں مساکین و محتاج طبقہ ضرور ہوتا ہے۔ کبھی یہ حاجت مندی عارضی ہوتی ہے جیسے مسافر سفر کی وجہ سے تنگ دست ہو جائے اور کبھی دائمی ہوتی ہے مثلاً بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کوئی خود کام کاج نہ کرسکے ایسے حاجت مند افراد کی کفالت کی ذمہ داری سب سے پہلے بیت المال پر ہے کیونکہ بیت المال کے ذرائع آمدن میں ایک ذریعہ اموالِ فاضلہ یا ضوائع کا ہے جس سے غریب بیماروں کی

مد داور نادار اموات کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جاتا ہے، لاوارث بچوں کی پرورش اور جرمانے کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح ایسے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے جو اپنی رزی کمانے سے خود معذور ہوں اوران کا کوئی ایسا عزیز بھی نہ ہو جس کا وہ قانونی طور پر سہارا لے سکیں۔ (46)

بیت المال کے بعد معاشرے کے اَغنیاء کی دولت میں بقدرِ ضرورت اِن نادار اور معذور افراد کا استحقاق بنتا ہے۔ (47)

۲-قرابت داری:

قرابت داری اور رشتہ داری بھی ایک اہم وجہ استحقاق ہے، اس کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس میں "حق کفالت "بطورِ احسان کے نہیں بلکہ ایک اہم فریضہ کے طور پر ادا کرنا ہوتا ہے۔ اسلامی نظامِ اقتصاد میں اس استحقاق کی بنا پر جو حقدار بنتے ہیں ان کے مختلف درجات ہیں:

درجہ اوّل: بعض افراد کو حصہ دینا یا بطورِ قرابت داری ان کی کفالت اور مالی معاونت کرنا "واجب "کا درجہ رکھتا ہے۔ مثلاً بیوی، نابالغ اولاد، بوڑھے والدین۔

درجہ دوم: بعض افراد کا درجہ استحقاق بذاتہ بڑا ہے اگرچہ درجہ اوّل کے استحقاق سے قدرے کم ہے۔ مثلاً محتاج بہن بھائی یا ان کی محتاج اولاد، چچا، ماموں، خالائیں وغیرہ۔

درجہ سوم: بعض مستحقین درجۂ دوم سے کمتر ہیں، ان میں دور کے رشتہ دار اور ان کے لواحقین۔ ان کے درمیان درجہ بندی رشتہ کی قرب اور بعد کی بنا پر ہو گا۔ ان کے علاوہ بعض افراد صرف اخلاقی اور کارِ خیر کی بنا پر مستحق ہیں۔ مثلاً ہمسایہ، ہم سفر اور ہم جماعت وغیرہ۔ اگرچہ بعض حالات میں ایسے مستحقین کی حاجت کی شدت کو مدّ نظر رکھ کر ان کی کفالت بھی واجب کے درجہ میں ہو جاتی ہے۔ (48)

(۳) حریّت [مگر حدود و قیود کے اندر]:

اسلامی نظامِ اقتصاد میں کسبِ معاش کے سلسلے میں کوئی بھی فرد نہ تو مکمل مقیّد ہے (اشتراکیّت کی طرح) اور نہ ہی مکمل آزاد وخود مختار (سرمایہ دارانہ نظام کی طرح) ہے بلکہ کسبِ معاش کے اس جدوجہد میں ایسے اُصولوں کا پابند بنایا گیا ہے جو نظامِ معیشت کو بھی فاسد ہونے سے بچاتا ہے اور فرد کی زندگی کو بھی معاشی رفاہیّت کے ساتھ ساتھ دینی اور اخلاقی رفعت عطا کرتا ہے۔ اس انفرادی معیشت کے حصول میں ہمیشہ دو اُصول پیشِ نظر رہیں گے:

اول: جو حاصل کرے وہ "حلال" ہو۔

دوم: جن طریقوں سے حاصل کرے وہ "طیّب" ہوں۔ [49] ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱- ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ [50] "اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ"۔

۲- ﴿ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ [51] "اور خُدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ"۔

مذکورہ بالا آیات میں پہلا اصل یعنی "حلال" جس کی ضد "حرام" ہے اور حرام کھانوں کا بیان خود اللہ تعالیٰ نے آیتِ ذیل میں کیا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُم [52]

اور دوسرا اصل یعنی "طیب" جس کی ضد "خبیث" ہے، کی تفسیر میں رشید رضا مصری [م ۱۳۵۳ھ] لکھتے ہیں:

أَنَّ الطَّيِّبَ مَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ حَقُّ الْغَيْرِ وَهُوَ الظَّاهِرُ، لِأَنَّ الْمُرَادَ بِحَصْرِ الْمُحَرَّمِ فِيمَا ذُكِرَ الْمُحَرَّمُ لِذَاتِهِ الَّذِي لَا يَحِلُّ إِلَّا لِلْمُضْطَرِّ، وَبَقِيَ الْمُحَرَّمُ لِعَارِضٍ فَتَعَيَّنَ بَيَانُهُ وَهُو مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ حَقُّ الْغَيْرِ وَيُؤْخَذُ بِغَيْرِ وَجْهٍ صَحِيحٍ، وَيَخْرُجُ بِذَلِكَ الرِّبَا وَالرَّشْوَةُ وَالسُّحْتُ وَالْغَصْبُ وَالْغِشُّ وَالسَّرِقَةُ فَكُلُ ذَلِكَ خَبِيثٌ، وَكَذَا مَاعَرَضَ لَهُ الْخُبْثُ بِتَغَيُّرِهِ كَالطَّعَامِ الْمُنْتِنِ۔ [53]

"طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو اس لئے کہ نص قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے ان کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لئے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لئے ان کا استعمال درست نہیں اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اس شئے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے ان کی ممانعت "طیب" کہہ کر دی گئی ہے پس جو شئے ناحق لی گئی اور صحیح طریقہ کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ سود، رشوت، غصب، ملاوٹ اور چوری وغیرہ ناجائز طریقوں سے حاصل کی گئی ہو تو یہ "خبیث" ہے اور اس طرح اس میں خُبث تغیّر کی وجہ سے آیا ہو جیسے سڑ کر بو آنا (تو یہ بھی خبیث ہے)"۔

حاصل یہ کہ اگر حرمت کسی شئے کی ذات میں ہو تو "حرام" ہے اور اگر خارج کی وجہ سے کسی شئے میں حرمت آئی ہو تو "خبیث" ہے۔ مسلم معاشرے کا فرد اگر ان اساسی امور کا لحاظ کر کے کسبِ معاش کے لئے

جدوجہد کرے تو اِس کی یہ کمائی معیشتِ صالحہ کے نام سے موسوم ہو گی۔ (54)

اسلامی نظامِ اقتصاد میں ایک فرد جس طرح کسبِ معاش میں مقیّد ہے اسی طرح انفاقِ مال (مال کو خرچ کرنا) کے سلسلے میں بھی بے لگام اور آزاد نہیں چنانچہ وہ اپنے مال کو نہ بے موقع اور بے محل اُڑائے گا اور نہ ہی کم خرچ کی جگہ زیادہ خرچ کرے گا بلکہ اسراف اور تبذیر سے اپنے آپ کو بچائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (55)

"اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو"۔

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينَ﴾ (56) "اور (مال) کو بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بے شک بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بندے ہیں"۔

علامہ آلوسیؒ [م ۱۲۷۰ھ] اسراف اور تبذیر کے مابین فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن الإسراف تجاوز في الكمية وهو جهل بمقادير الحقوق والتبذير تجاوز في موقع الحق وهو جهل بالكيفية وبمواقعها وكلاهما مذموم والثاني أدخل في الذم. (57)

"کمیّت یعنی مقدارِ خرچ میں حد سے تجاوز کرنا "اسراف" ہے اور یہ عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا ثبوت ہے اور کیفیّت یعنی مواقعِ صرف و خرچ میں حد سے تجاوز کرنا "تبذیر" ہے اور یہ صحیح مواقع صرف سے نادان بننے کی دلیل ہے یہ دونوں مذموم ہیں بلکہ ثانی میں ذم زیادہ ہے"۔

الغرض ضرورت سے زیادہ اور بے جا مال اُڑانا اسراف و تبذیر ہے اور یہ دونوں معیشتِ فاسدہ کی علامت ہے۔ اسراف اور تبذیر کی ضد تقتیر ہے، یہ بھی مذموم ہے۔ ان دونوں کے بین بین راستہ اختیار کرنا میانہ روی ہے اور وہی ممدوح ہے، اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (58) "اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط اور تفریط) کا درمیان اعتدال پر ہوتا ہے"۔

امام رازیؒ[م٦٠٦ھ] اسراف اور تقتیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ الْمُفَسِّرُونَ فِي الْإِسْرَافِ وَالتَّقْتِيرِ وُجُوهًا: أَحَدُهَا: وَهُوَ الْأَقْوَى أَنَّهُ تَعَالَى وَصَفَهُمْ بِالْقَصْدِ الَّذِي هُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْتِيرِ۔ (59)

"اسراف اور تقتیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہے، ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن (نیک بندوں) کو میانہ روی کے ساتھ موصوف کئے ہیں جو بے جا غلوّ اور بے محل بخل برتنے کے مابین ہے"۔

حاصل یہ کہ مسلم معاشرے کا کوئی بھی فرد کمانے اور خرچ کرنے میں قطعاً آزاد نہیں بلکہ اسلامی حدود و قیود کے اندر ہی تصرّف کرے گا کیونکہ اگر ان حدود کی پابندی نہ کرے تو اس سے معیشت میں فساد آئے گا جو یا تو خود مالکِ مال کے لئے ضرر اور نقصان کا باعث ہو گا یا معاشرے کے دوسرے افراد کے لئے تکلیف اور نقصان کا سبب ہو گا اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں کسب اور خرچ کی کھلی چھٹی ہے کوئی بھی فرد کسی قسم کی قید وحد کا پابند نہیں وہ جس طرح چاہے اور جہاں چاہے مال کما سکتا ہے اور جیسا چاہے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد ہی خود غرضی اور ذاتی منافع پر ہے، شخصی یا طبقاتی فوائد (Vested Interest) اس کی اوّلین ترجیح ہے اور اس میں کوئی بھی خدائی ضابطے یا اخلاقی اقدار کا پابند نہیں ہوتا اور نہ ہی ملتِ انسانیّت اور دیگر طبقاتِ انسانی کے مفادات کو اپنا ذاتی مفاد اور ان کے نفع وضرر کو اپنا نفع وضرر سمجھتا ہے۔ (60)

فقہ اسلامی کے اثرات:

عصرِ حاضر کے تمام مادی طریقہ ہائے تمویل خدائی ضابطوں اور حدود و قیود سے عاری اور آزاد ہیں کیونکہ ان کی بنیادیں ہی صرف اپنے ذاتی فوائد کے جمع کرنے پر ہیں مثلاً مروّجہ بینکاری سسٹمز وغیرہ کے اکثر معاملات "ربا" (سود) پر مبنی ہیں خواہ بینک قرض دار ہو یا قرض خواہ، دونوں صورتوں میں سود پایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اسلامی مالیاتی نظام میں ایسے طرقِ تمویل ہیں جن کو اختیار کر کے مروّجہ بینکوں سے منسلک فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں مثلاً بعض اسلامی ملکوں میں قائم اسلامی بینکوں کی بنیاد مرابحہ، مضاربہ، مشارکہ، استصناع اور شرکۃ منهية بالتمليك پر ہے جو کہ جائز اسلامی تمویلی طریقے ہیں۔ عصرِ حاضر کے فقہاء نے مروّجہ بینکاری کا جائزہ لے کر ان کے متبادل جائز اسلامی تمویل کے طریقوں

کو مروّج کرنے کی کوششیں کی ہیں چنانچہ "الموسوعة العلمية والعملية لِاتحاد البنوک الاسلامية" ایک انسائیکلوپیڈیا تیار ہو چکی ہے جس میں مروّجہ بینکوں کے طریقوں کی وضاحت کی ہے اور پھر ہر ایک کی شرعی صورت نکال کر اس کو منطبق کرنے کا حل نکالا ہے۔ (61)

حواشی و حوالہ جات

1: مرتضیٰ الزبیدی، محمد بن محمد بن عبدالرزّاق[م ۱۲۰۵ھ]، تاج العروس من جواھر القاموس، ج ۳۰، ص ۴۳۳، دارالھدایۃ، سطن۔

2: ایضاً: ۳۰/ ۴۲۷، ۴۲۸۔

3: وھبہ الزحیلی، وھبہ بن مصطفیٰ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/ ۴۸۱۸، دارالفکر، دمشق سطن۔

4: عثمانی، محمد تقی، مفتی، بحوث فی قضایا فقھیۃ معاصرۃ، ص ۷۷، دارالقلم، دمشق ۱۴۲۴ھ۔

5: ابنِ نجیم، زین الدین بن ابراھیم بن محمد[م ۹۷۰ھ]، البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۵/ ۲۷۷، دارالکتاب الاسلامی، سطن۔

6: ابنِ عابدین، محمد امین بن عمر[م ۱۲۲۵ھ]، رد المحتار علی الدر المختار: ۴/ ۵۰۱، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۲ھ۔

7: الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، علاء الدین[م ۵۸۷ھ]، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۷/ ۳۸۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۰۶ھ۔

8: ایضاً: ۲/ ۲۷۹۔

9: ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۳/ ۱۶۹۔

10: ابنِ عابدین، محمد امین بن عمر، مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۵۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت سطن۔

11: ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد[م ۸۰۸ھ]، (مقدمہ ابن خلدون) دیوان المبتداء والخبرفی تاریخ العربِ والبربر ومن عاصرهم من ذوی الشأن الاکبر: ۱/ ۴۷۹، دارالفکر، بیروت ۱۴۰۸ھ۔

12: چیمہ، غلام رسول، چودھری، اسلام کا معاشی نظام: ص ۱۵، علم و عرفان پبلشرز، لاہور ۲۰۰۷ء۔

13: عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت: ص ۲۱، مکتبہ معارف القرآن، کراچی ۱۴۳۱ھ۔

14: غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام: ص ۱۵۔

15: عثمانی، محمد تقی، مفتی، تکملہ فتح الملھم:۱/۱۹۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی، کراچی ۲۰۰۹ء۔

16: The New Encyclopedia of Britanica,vol:2, page:832, 5th edition USA2007

17: Comparative Economic System by William N.Loucks بحوالہ اسلام کا معاشی نظام، غلام رسول چیمہ، ص۶۹۔

18: محمد حسن کمال، نظامِ معیشت اور اسلام: ص۵۳، طیّب پبلشرز، لاہور ۲۰۰۲ء۔

19:The New Encyclopedia of Britanica, vol: 2, page: 832, ibid

20: مفتی تقی عثمانی، تکملہ فتح الملھم، ج۱، ص۲۰۱، حوالہ سابق۔

21: The New Encyclopedia of Britannica, vol: 10, page:962, ibid

22: غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام، ص۴۱، ۴۲، حوالہ سابق۔

23: ایضاً، ص۴۴، حوالہ بالا۔

24: ایضاً، ص۴۴، حوالہ بالا۔

25: مفتی تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص۳۴، ۳۵، حوالہ سابق۔

26: الجمعۃ: ۶۲۔

27: آل عمران: ۱۸۵۔

28: الانفال: ۲۸۔

29: مفتی تقی عثمانی، تکملہ فتح الملھم، ج۱، ص۱۹۷، حوالہ سابق۔

30: القصص: ۲۸۔

31: طٰہٰ: ۶۔

32: الزخرف: ۸۵۔

33: الجاثیۃ: ۲۷۔

34: البقرۃ: ۲۷۹۔

35: التوبۃ: 103۔

36: الذٰریات: ۵۱۔

37: الحدید: 7۔

38: مسلم بن الحجاج، ابو الحسن، القشیری[م ۲۶۱ھ]، صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۶۷۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت سطن۔

39: الزیلعی، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف، جمال الدین[م ۷۶۲ھ]، نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ، ج ۴، ص ۲۰۹، مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۴۱۸ھ۔

40: الھیثمی، ابو الحسن علی بن ابی بکر، نور الدین[م ۸۰۷ھ]، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۴، ص ۱۰۰، رقم الحدیث ۶۴۷۶، مکتبہ القدسی، القاھرۃ ۱۴۰۴ھ۔

41: السالوس، علی احمد، الدکتور، الاقتصاد الاسلامی والقضایا الفقھیۃ المعاصرۃ، ص ۳۶، دار الثقافۃ، الدوحۃ ۱۹۹۶ء۔

42: ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث، السجستانی[م ۲۷۵ھ]، سنن أبي داود، ج ۳، ص ۲۷۸، رقم الحدیث ۳۴۷۷، مکتبۃ العصریۃ، بیروت سطن۔ ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، الشیبانی[م ۲۴۱ھ]، مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج ۳۸، ص ۱۷۴، رقم الحدیث ۲۳۰۸۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ۔

43: ۱- محمد بن اسمٰعیل البخاری، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۱۱۰، رقم الحدیث ۲۳۵۴، حوالہ سابق۔
۲- مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۱۹۸، رقم الحدیث ۱۵۶۶، حوالہ سابق۔

44: دکتور علی بن احمد السالوس، الاقتصاد الاسلامی والقضایا الفقھیۃ المعاصرۃ، ص ۴۶، حوالہ سابق۔

45: غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، اسلام کا معاشی نظام، ص ۲۵۶، دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ، لاہور ۱۹۹۴ء۔

46: صدیقی، شجاعت علی، اسلام کا مالیاتی نظام، ص ۱۵۸، ۱۵۷، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۱ء۔

47: کلیانوی، عمران الحق، ڈاکٹر، اسلام کا نظامِ کفالت (ایک تحقیقی جائزہ)، ص ۱۸۱، دارالاشاعت، کراچی ۲۰۰۳ء۔

48: ڈاکٹر نور محمد غفاری، اسلام کا معاشی نظام، ص ۲۵۷، ۲۵۸، حوالہ سابق۔

49: سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۶۴، مکتبہ رحمانیہ، لاہور سطن۔

50: البقرۃ: ۱۶۸۔

51: المائدۃ: ۸۸۔

52: المائدۃ: ۳۔

53: رشید رضا مصری، تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار)، ج ۲، ص ۷۱، حوالہ سابق۔

54: سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۶۷، حوالہ سابق۔

55: الاعراف: ۳۱۔

56: الاسراء: ۲۶، ۲۷۔

57:الآلوسی، محمود بن عبد اللہ، شہاب الدین[م ۱۲۷۰ھ]، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج ۸ ، ۶۲ دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۵ھ۔

58: الفرقان:۲۵۔

59: فخر الدین الرازی، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین[م ۶۰۶ھ]، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، ج ۲۴، ص ۴۸۲، دار إحیاء التراث العربي، بیروت ۱۴۲۰ھ۔

60: محمد طفیل، نقوش[رسول نمبر]، محمد اشرف خان، مولانا، رسول کے عہد کا اقتصادی و معاشی نظام، ج ۴، ص ۳۴۷، ادارۂ فروغِ اُردو، لاہور سطن۔

61: دکتور علی بن احمد السالوس، الاقتصاد الاسلامی والقضایا الفقہیۃ المعاصرۃ، ص ۹۶، حوالہ سابق۔